© rasailojaraid.com

Khuda Bakhsh Library

تاثرات

۱۲ مئی ۱۹۸۴ کو ہندوستان کے ممتاز عالم مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نے وفات پائی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مفتی عتیق الرحمٰن کا شمار دیارِ ہند کے جید علما میں ہوتا تھا۔ وہ جمعیۃ علمائے ہند کے رکن، دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کی مجلس شوریٰ کے ممبر، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر اور ندوۃ المصنفین دہلی کے بانی اور روحِ رواں تھے۔

مفتی صاحب مرحوم کا آبائی وطن دیوبند تھا اور وہاں کے عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ والد کا اسم گرامی مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی تھا جو دارالعلوم دیوبند کے اولین مفتی تھے اور جدِ امجد کا نام نامی مولانا فضل الرحمٰن عثمانی تھا جو دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے۔

حضرت مرحوم ۱۹۰۱ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے اور علم و فضل کے ماحول اور تقویٰ و تدین کی گود میں پرورش پائی۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کی منزلیں طے کیں اور ممتاز اساتذہ اور اکابر علما کی صحبت و نگرانی میں بیٹھنے کا شرف حاصل کیا۔ تفسیر و حدیث، فقہ و کلام، منطق و فلسفہ، ادب و بلاغت، صرف و نحو وغیرہ تمام علوم جو ان کے دور میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھائے جاتے تھے، نہایت محنت اور انہماک سے پڑھے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد دارالعلوم ہی میں اپنے والد مکرم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے ماتحت نائب مفتی اور مدرس مقرر ہوئے۔ جوانی کا زمانہ تھا اور دل میں خدمتِ دین کا جذبہ موجزن تھا، اپنے مفوضہ فرائض انتہائی حسن و خوبی سے انجام دینا شروع کیے۔ کئی سال اس کام پر مامور رہے۔

اس کے بعد ایک ایسا دور آیا کہ دارالعلوم کے انتظامی معاملات میں بعض اکابر کے درمیان اختلافِ رائے پیدا ہو گیا۔ اس اختلاف نے اتنی شدت اختیار کی کہ علما و مدرسین کی ایک بڑی جماعت جو نہایت جلیل القدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصحاب پر مشتمل تھی، ترکِ دارالعلوم پر مجبور ہوگئی۔ ان حضرات میں حضرت مولانا انور شاہ کاشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کے نام لائقِ تذکرہ ہیں۔ یہ تمام حضرات علم و فضل کے اعتبار سے اپنے وقت کے عظیم الشان لوگ تھے۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اس زمانے میں جوانی کی منزل سے گزر رہے تھے، وہ بھی ان کے ساتھ ہی دارالعلوم سے رخصت ہوگئے اور صوبہ گجرات کے ایک مقام ڈابھیل میں سکونت اختیار کرلی، وہاں ایک دارالعلوم قائم کیا اور تعلیم و تدریس میں مصروف ہوگئے۔ یہ ۱۳۴۷ھ (۱۹۲۷ء) کا واقعہ ہے۔

ڈابھیل میں ان حضرات نے جو خدمات انجام دیں وہ اپنی جگہ بدرجۂ غایت اہمیت کی حامل ہیں۔ یہاں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی خوب کام ہوا اور علما و طلبا کی بہت بڑی تعداد نے خدمتِ دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

اس کے بعد حالات نے ایک اور کروٹ لی، مفتی عتیق الرحمٰن نے دہلی کو اپنا مسکن قرار دے لیا اور ۱۹۴۰ء کے لگ بھگ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی اصحابِ ثلاثہ نے دہلی کے قرول باغ میں ندوۃ المصنفین کے نام سے ایک تصنیفی اور اشاعتی ادارے کی طرح ڈالی۔ اس کے ساتھ ہی ایک ماہنامہ رسالہ بھی جاری کیا جس کا نام "برہان" رکھا اور اس کے ایڈیٹر مولانا سعید احمد اکبرآبادی کو مقرر کیا گیا۔

ندوۃ المصنفین کے ناظم مفتی صاحب تھے اور بہترین انداز سے کام کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں ہندوؤں نے حملہ کرکے ندوۃ المصنفین کی عمارت کو آگ لگا دی، کتب خانہ تباہ کر دیا اور سامان لوٹ لیا۔ اس سے بے شک ندوۃ المصنفین کے بانیوں اور ہمدردوں کو سخت صدمہ پہنچا، لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور حالات سے مایوس نہیں ہوئے۔ جونہی فضا تھوڑی بہت سازگار ہوئی، ندوۃ المصنفین اور برہان کے دفاتر دہلی کی جامع مسجد کے قریب منتقل کر دیے گئے اور پہلے سے بھی زیادہ زور اور جذبے سے کام ہونے لگا۔

آزادی سے قبل بھی ندوۃ المصنفین نے بہت کام کیا لیکن آزادی کے بعد تو اس کے باہمت ارکان نئے عزم اور نئے ولولے کے ساتھ میدانِ عمل میں اترے اور بہترین کتابیں شائع کیں۔ مجموعی اعتبار سے اس کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاثرات

سے شائع ہونے والی کتابوں کی تعداد ایک سو تیس پینتیس کے قریب ہوگی۔ ان میں سے چند کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔ ہر کتاب اپنی جگہ خاص اہمیت کی حامل ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی (عربی) تفسیر مظہری جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی قصص القرآن چار جلدوں میں، مولانا بدر عالم کی ترجمان السنہ چار جلدوں میں، علاوہ ازیں اخلاق اور فلسفۂ اخلاق، اسلام کا اقتصادی نظام، اسلام کا زرعی نظام، اسلام کا نظام حکومت، اسلام کا نظامِ مساجد، مسلمانوں کا نظم مملکت، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، تاریخی مقالات، تاریخ مشائخ چشت، حضرت عمر کے سرکاری خطوط، حضرت عثمان کے سرکاری خطوط، العلم والعلما کا اردو ترجمہ، مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی فہم قرآن، غلامانِ اسلام اور سیرت حضرت ابوبکر صدیق وہ کتابیں ہیں جو تحقیق و تدقیق اور معلومات کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ یہ کتابیں حسن ظاہری سے بھی مزین ہیں اور حسن باطنی سے بھی۔ ان کی کتابت و طباعت میں جو زیبائش اور نفاست پائی جاتی ہے، وہ مرحوم مفتی عتیق الرحمن عثمانی کے ذوقِ سلیم اور فنِ طباعت سے مہارت کا نتیجہ ہے۔

ندوۃ المصنفین کو بہت بڑا دھچکا آج سے بائیس سال قبل اس وقت لگا، جب ۲ اگست ۱۹۶۲ء (یکم ربیع الاول ۱۳۸۲ھ) کو اس کے عظیم رکن اور نامور عالم مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اب ۱۲ مئی ۱۹۸۴ کو مفتی صاحب بھی اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے اور اس طرح اس کے تین بانی ارکان میں سے تنہا مولانا سعید احمد اکبر آبادی اس دنیا میں موجود ہیں۔ اللہ ان کو خیر و عافیت سے رکھے اور ندوۃ المصنفین میں جو ہولناک خلا پیدا ہو گیا ہے، مولانا کی کوششوں سے اس کے پُر ہونے کی کوئی بہتر صورت ظہور میں آئے۔

مولانا اکبر آبادی پہلے ہی ہجوم کار میں گھرے ہوئے ہیں، برہان کی ادارت و ترتیب ایک بہت بڑی ذمے داری ہے جسے وہ نہایت حسن و خوبی سے نبھا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ تصنیف و تالیف اور دیگر امور بھی وہ محنت و جانفشانی سے انجام دے رہے ہیں۔ مفتی صاحب کی وفات سے جہاں تمام ہندوستان کے مسلمانوں اور وہاں کے علمی حلقوں کو صدمہ پہنچا ہے، وہاں مولانا سعید احمد اکبر آبادی شدید ذہنی اذیت سے دوچار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے ہیں۔

ان سطور کے راقم کو نہ تو مفتی صاحب کی زیارت کا شرف حاصل تھا اور نہ ان سے خط و کتابت تھی، تاہم یہ بہرحال معلوم ہے کہ وہ علم و عمل میں یگانہ اور خلوص و ہمدردی میں منفرد تھے۔ انتظامی صلاحیتوں سے بھی اللہ نے ان کو نوازا تھا۔ وہ مستقل طور پر دہلی میں رہتے تھے اور ہندوستان کے مسلمانوں کا ایک مضبوط سہارا تھے۔ ملک کے مختلف علاقوں سے لوگ ان کی خدمت میں آتے، وہ ان سے شرعی مسائل بھی دریافت کرتے اور اپنے دکھ درد میں انھیں اپنا شریک بھی بناتے۔ وہ سب کی بات توجہ سے سنتے اور جہاں تک ممکن ہوتا ان کی مدد کرتے۔ قومی اور علمی سرگرمیوں میں پورا حصہ لیتے اور اس سے خوش ہوتے۔ اس کبرسنی میں بھی وہ بلا تامل دور دراز مقامات کے سفر پر روانہ ہوجاتے۔ ان پر مرض الموت کا حملہ بھی دورانِ سفر ہی میں ہوا۔ فروری ۱۹۸۲ میں دار المصنفین اعظم گڑھ کے اربابِ انتصرام نے اسلام اور مستشرقین کے موضوع پر سیمینار منعقد کیا تو اس میں مفتی صاحب بھی شریک ہوئے۔ وہ اس سیمینار سے فارغ ہوکر بذریعہ ٹرین واپس دہلی جارہے تھے کہ جب ان کی ٹرین دریا باد کے اسٹیشن پر پہنچی تو ان پر ناگہاں فالج کا حملہ ہوا۔ انھیں وہیں ٹرین سے اتار کر لکھنؤ پہنچایا گیا اور وہاں کے بلرام پور ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ آٹھ دس دن وہ ہسپتال میں بہترین ڈاکٹروں کے زیرِ علاج رہے۔ جب طبیعت سنبھلی تو ان کے گھر دہلی لے جایا گیا۔ اس کے بعد بھی ان پر بیماری کے اثرات باقی رہے لیکن انھوں نے اس کی پروا نہیں کی اور برابر اپنے کام میں مشغول رہے۔ ندوۃ المصنفین ان کی سرگرمیوں کا اصل مرکز تھا اور اس کی خدمت کو انھوں نے ہمیشہ ہر شے پر مقدم رکھا۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان کے والد مکرم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی کا انتقال بھی عارضۂ فالج سے ہوا تھا۔

مفتی صاحب دیوبند کے عظیم خاندان کے عظیم فرزند تھے۔ ان کے جدِ امجد بھی اپنے دور کے جید عالمِ دین تھے اور والدِ محترم بھی وہ تمام علوم باقاعدہ حاصل کرچکے تھے جو اس زمانے میں عربی اور دینی مدارس میں پڑھائے جاتے تھے۔ علم فقہ میں وہ بالخصوص درک رکھتے تھے، اسی لیے انھیں دار العلوم دیوبند کا اوّلین مفتی مقرر کیا گیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفتی عتیق الرحمٰن بے شمار خوبیوں کے مالک تھے اور تمام خوبیاں انھوں نے ورثے میں پائی تھیں۔ علم وعمل، علو اخلاق، بلندیٔ کردار، زہد وعبادت، انکساری و تواضع، جذبۂ خدمتِ دین، لوگوں سے حسنِ سلوک اور کام کے لیے لگن اور تگ و تاز ان کے وہ اوصاف تھے جو کم لوگوں کے حصّے میں آتے ہیں۔ وہ بہت اچھے مقرر اور مدرس بھی تھے۔ زور اور اعتماد سے بات کرتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر جو تکلیف آتی، اس کے لیے سینہ سپر ہو جاتے اور اس کو رفع کرنے کے لیے حکومت کے اونچے سے اونچے دروازے پر دستک دیتے۔ اس سلسلے میں نہایت اولوالعزم اور بہادر آدمی تھے۔

اب مفتی صاحب اس دنیا میں موجود نہیں، البتہ ان کی سعی و محنت سے ندوۃ المصنفین کے نام سے جو ادارہ قائم ہوا تھا، وہ موجود ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مفتی صاحب مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ندوۃ المصنفین اور ان کے قائم کردہ دیگر آثارِ علمیہ کو ہمیشہ قائم رکھے۔

© rasailojaraid.com